بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی دور کے بعض اہم واقعات

(۲)

سید جلال الدین عمری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ میں جن زہرہ گداز حالات سے گزرنا پڑا اور ان پر اذیتوں کے جو پہاڑ توڑے گئے اور جس طرح کا جور و ستم ان کے ساتھ روا رکھا گیا اسے تاریخ نے اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہے۔ یہاں اس کے بعض اوراق پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ اس حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے میں کتنا وقت اور کتنی قوت صرف ہوئی کہ اسلام دینِ حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ ساری دنیا کے لیے بارانِ رحمت ہے اور اپنے دامن میں ہر فرد اور ہر قوم کی فلاح و کامرانی کا سامان لے کر آیا ہے۔ اس سے عداوت اپنی ذات سے عداوت، اپنے خاندان، قبیلے اور اپنی قوم سے بلکہ نوعِ انسانی سے عداوت ہے۔ جو ان سب کا دشمن ہے وہی اسلام سے دشمنی کر سکتا ہے۔

پہلے ان زیادتیوں اور جفاکاریوں کا حال دیکھئے جو دنیا کے سب سے اعلیٰ اور سب سے اشرف انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ روا رکھی گئیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ وہاں قریش کے کچھ لوگ بھی تھے۔ قریب ہی میں دو ایک روز قبل اونٹ ذبح ہوئے تھے۔ ابوجہل نے کہا کیا کوئی شخص اس میں سے ایک اوجھڑی لا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پشت پر ڈال سکتا ہے؟ یہ سن کر بدنصیب عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لے آیا۔ جب آپ سجدے میں گئے، شانہ ہائے مبارک کے درمیان ڈال

دی۔ اس پر سب لوگ ہنسنے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ آپ نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں اس موقف میں نہیں تھا کہ آگے بڑھ کر اس گندگی کو ہٹاتا ورنہ ضرور ہٹا دیتا۔ اسی اثنا میں حضرت فاطمہؓ کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ وہ اس وقت کمسن تھیں۔ دوڑی ہوئی آئیں، گندگی کو دور کیا، جن افراد نے یہ حرکت کی انھیں بد دعا دینے لگیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے دعا کی: اے اللہ! ان سرداران قریش — ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط — کو تو اپنی گرفت میں لے لے اور ان پر عذاب نازل فرما۔ میں نے اس سے پہلے آپؐ کو کسی کے حق میں بد دعا کرتے نہیں سنا تھا۔ جب سرداران قریش نے آپؐ کے الفاظ سنے تو یکلخت گھبرا اٹھے کہ آپؐ کی دعا ضرور قبول ہوگی اور ان پر اللہ کا عذاب آئے گا چنانچہ میں نے دیکھا کہ بدر میں یہ سب کے سب مارے گئے اور ایک گڑھے میں پھینک دیئے گئے۔[1]

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی جانب سے جو سخت تکلیف پہنچی وہ کیا تھی؟ انھوں نے (اپنے علم کی حد تک) جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آگے بڑھا اور گردن مبارک میں چادر کو بل دے کر اس زور سے کھینچا کہ آپؐ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ دوڑے ہوئے پہنچے۔ عقبہ کا شانہ پکڑ کر اسے دور ہٹایا اور کہا کہ کیا تم ایک ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہتے ہو جس کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ اللہ ہی اس کا رب ہے۔[2]

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپؐ کو جو سخت ترین اذیت پہنچی وہ یہ تھی کہ ایک روز آپ گھر سے نکلے۔ راستے میں جس کسی سے بھی ملاقات ہوئی خواہ وہ آزاد ہو یا

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین بمکۃ۔ مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب مالقی النبیؐ من اذی المشرکین والمنافقین۔

[2] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مالقی النبی واصحابہ الی آخرہ۔ مسند احمد: ۲/ ۲۱۶۔ اس واقعہ کی تفصیل ابن ہشام نے کچھ دوسرے انداز میں پیش کی ہے۔ السیرۃ النبویہ، دار احیاء التراث العربی، لبنان ۱۹۹۲ء: ۱/ ۳۲۶۔ ۳۲۷

غلام ہر ایک نے آپؐ کی تکذیب کی اور آپؐ کو اذیت پہنچائی۔ آپؐ جب گھر لوٹے تو شدتِ غم سے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی موقع پر آیات یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّر..... نازل ہوئیں[1]

ایک مرتبہ قریش کے سفہا میں سے ایک سفیہ نے سرِ مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپ گھر پہنچے تو مٹی موجود تھی۔ آپؐ کی صاحبزادی نے مٹی صاف کی اور رونے لگیں آپؐ نے فرمایا، بیٹی! مت رو اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا[2]

ان ظالموں کی وجہ سے آپ گھر کے اندر نماز پڑھنے لگے لیکن وہاں بھی سکون سے رہنے نہیں دیتے تھے حتیٰ کہ کبھی کبھی کھانے کی ہانڈی میں گندگی ڈال دی جاتی، جب اس طرح کی حرکت ہوتی تو آپؐ لکڑی سے اسے اٹھا کر باہر لے جاتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے اے بنو عبد مناف! یہ کس قسم کی ہمسائیگی ہے۔ پھر اسے دور پھینک آتے[3]

حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت اور کوئی دن آپ پر گزرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تمہاری قوم سے جو تکلیف مجھے پہونچی وہ پہونچی لیکن سب سے زیادہ سخت وہ دن تھا جب کہ میں نے طائف کے سرداروں کے سامنے اللہ کا دین پیش کیا اور ان سے تعاون کی درخواست کی لیکن انھوں نے بری طرح رد کر دیا۔ مجھے اپنے ہاں سے نکال دیا۔ میں شدت غم سے نڈھال چلا جا رہا تھا۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں قرن ثعلب میں تھا[4] واپسی میں غنڈوں کو پیچھے لگا دیا۔ انھوں نے آپ پر پتھر پھینکنے شروع کر دئے

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۳۲۸

[2] طبری، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ ۱۹۹۷ء: ۱/۵۵۳ - ۵۵۴

ابن کثیر۔ السیرۃ النبویہ؛ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان ۱۹۸۳ء: ۲/۱۲۶

[3] طبری تاریخ الامم والملوک ۱/۵۵۳، ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۲/۱۲۸

[4] بخاری، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین والملائکۃ فی السماء الخ۔ مسلم کتاب الجہاد، باب مالقی النبیؐ من اذی المشرکین والمنافقین۔

حضرت زید بن حارثہؓ بچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن قدم مبارک لہولہان ہوگئے اور سر پر بھی چوٹ آئی [۱]

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقَدْ اُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا	مجھے اللہ کی راہ میں جتنا ہراساں کیا
یُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِیْتُ	گیا اتنا کسی کو نہیں کیا گیا، مجھے اللہ کی راہ
فِی اللّٰہِ وَمَا یُوْذٰی اَحَدٌ وَلَقَدْ	میں جتنی اذیتیں پہونچیں اتنی کسی کو نہیں
اَتَتْ عَلَیَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ یَوْمٍ وَ	پہونچیں۔ مجھ پر تیس ایسے روز و شب
لَیْلَۃٍ وَمَالِیْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ	گزرے ہیں کہ میرے اور بلالؓ کے لیے
یَاکُلُہٗ ذُوْکَبِدٍ اِلَّا شَیْئٌ یُوَارِیْہِ	کوئی چیز جسے کوئی جاندار (پیٹ بھر کر)
اِبْطُ بِلَالٍ [۲]	کھا سکے، نہیں تھی۔ بس اتنی ہوتی تھی جسے
	بلال اپنے بغل میں رکھ لیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جسمانی تکلیفیں پہنچیں بعض صحابہ کرامؓ کو ان سے زیادہ تکلیفیں پہنچیں۔ ان تکالیف سے آپؐ کو ذہنی اور روحانی صدمہ پہنچتا تھا اس لیے کہ یہ تکلیفیں آپؐ پر ایمان ہی کے نتیجے میں صحابہ کو پہنچ رہی تھیں۔ اس پہلو سے آپ نے سب سے زیادہ تکلیفیں برداشت کیں۔ انبیاء علیہم السلام میں حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ شہید کر دیے گئے لیکن یہاں قتل کا ذکر نہیں ہے۔ زندہ رہتے ہوئے جو تکلیف دی گئی اس کا بیان ہے [۳]

حضرت ابوبکرؓ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص تھے، ان کو بھی طرح طرح سے اذیتیں پہنچائی جاتیں۔ حضرت عائشہؓ اس سلسلہ کا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ جب صحابہ کرامؓ کی تعداد اڑتیس (۳۸) ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ابن سعد، طبقات: ۱/۲۱۱ - ۲۱۲ - دار صادر بیروت ۱۹۸۵ء

[۲] ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ - مسند احمد: ۳/۲۰۴ - داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان ۱۹۹۴ء
مسند احمد کی ایک روایت میں تیس دن کی جگہ تین دن کا ذکر ہے۔ ولقد اتت علیّ ثلاثۃ من بین یوم و لیلۃ - ۳/۵۶۹ - نیز ملاحظہ ہو - ابن ماجہ، مقدمہ، فضل سلمان وابی ذر والمقداد حدیث نمبر ۱۵۱

[۳] ابن حجر فتح الباری: ۷/۵۵۵ - ۵۵۶ - دارالفکر، بیروت، لبنان ۱۹۹۶ء

سے عرض کیا کہ اب ہمیں اپنے اسلام کا کھل کر اظہار کرنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ ابھی ہم تھوڑے ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ اصرار کرتے رہے۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اظہار و اعلان کا فیصلہ فرمایا۔ مسلمان خانہ کعبہ کے مختلف گوشوں میں اپنے اپنے قبیلہ میں پہنچ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ پہلے خطیب تھے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف علی الاعلان دعوت دی۔ اس پر مشرکین حضرت ابوبکرؓ اور ان مسلمانوں پر جو اپنے اپنے قبیلے میں تھے ٹوٹ پڑے اور بری طرح زدوکوب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو سختی سے روند ڈالا۔ ان کے کافی چوٹیں آئیں۔ عتبہ بن ربیعہ ابوبکرؓ کو چمڑے کے جوتوں سے مارنے لگا۔ اس سے آپؓ کا چہرہ اس قدر سوج گیا کہ چہرے اور ناک میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ آپ کے خاندان بنو تیم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے، مشرکین کو دفع کیا اور ابوبکرؓ کو چادر میں ڈال کر ان کے گھر اٹھالے گئے۔ ان لوگوں کو یقین سا ہو گیا تھا کہ آپ زندہ نہیں بچیں گے چنانچہ ان لوگوں نے حرم پہنچ کر اعلان کیا کہ اگر ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے۔ یہ لوگ واپس گھر پہنچے، ابوبکر کے والد ابو قحافہؓ اور خاندان کے دوسرے افراد نے حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بول نہیں پا رہے تھے۔ دن کے آخر میں آپ بولے تو پہلا سوال یہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس پر خاندان کے لوگ انھیں ملامت کرنے لگے اور آپ کی والدہ ام الخیر سے کہا کہ جاؤ انھیں کچھ کھلاؤ پلاؤ جب وہ آپ کے قریب پہنچ کر اصرار کرنے لگیں تو اس وقت بھی وہ یہی دریافت کرتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ مجھے تمہارے دوست کا حال معلوم نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور ان سے حال معلوم کر آؤ۔ وہ ام جمیل کے پاس پہنچیں اور کہا کہ ابوبکر، محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال تم سے دریافت کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا میں ابوبکر اور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں جانتی اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے بیٹے کے پاس چل سکتی ہوں۔ انھوں نے کہا اچھا چلو، گھر پہنچ کر ام جمیل نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ بے جان سے پڑے ہیں تو وہ چیخ پڑیں کہ جن کفار نے آپ کے ساتھ یہ

حرکت کی ہے، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے ان سے انتقام لے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا۔ انھوں نے اشارہ کیا آپ کی والدہ سن رہی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ان سے کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں ہے، تو انھوں نے بتایا کہ آپؐ صحیح سالم اور محفوظ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں تو انھوں نے بتایا کہ دارِ ارقم میں ہیں، ابوبکرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم جب تک آپؐ کے پاس میں نہ پہنچ جاؤں کچھ کھاؤں گا پیوں گا نہیں۔ رات میں جب لوگ آرام کرنے لگے۔ تو یہ دونوں آپ کو لے کر نکلیں۔ آپ اپنی ماں کے سہارے چل رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ابوبکر کو پہنچایا گیا تو آپؐ نے جھک کر حضرت ابوبکرؓ کو بوسہ دیا اور مسلمان بھی آپ پر محبت سے جھک پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس حال میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا اثر ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں ٹھیک ہوں۔ البتہ اس فاسق کے میرے چہرے پر مارنے سے جو چوٹ آئی ہے اس میں تکلیف ہے۔ یہ میری ماں اپنے لڑکے کے ساتھ آئی ہے۔ آپ کی ذات بابرکت ہے۔ آپ انھیں اللہ کی طرف دعوت دیں۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ آپ کے ذریعہ انھیں جہنم سے نجات دے۔ آپؐ نے دعا کی اور وہ ایمان لے آئیں[1]

حضرت عثمان بن مظعونؓ بہت نیک اور خدا ترس انسان تھے۔ بالکل ابتدائی دور میں اسلام لے آئے تھے۔ ان کو ولید بن مغیرہ نے پناہ دے رکھی تھی، بعد میں انھوں نے اس کی پناہ رد کر دی، اسی کے بعد کا واقعہ ہے کہ مشہور شاعر لبید بن ربیعہ[2] نے قریش کی ایک مجلس میں اپنا ایک شعر پڑھا۔ پہلا مصرعہ تھا

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ — سن لو اللہ کے سوا ہر چیز مٹنے والی ہے

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ : ۱/۴۳۹-۴۴۱۔ برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ : ۱/۴۷۵-۴۷۶ دار المعرفۃ، لبنان۔

[2] لبید بعد میں مسلمان ہو گئے اور بڑی لمبی عمر پائی۔ ابن اثیر۔ اُسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔ ۴/۴۸۲-۴۸۵

حضرت عثمانؓ نے کہا تم نے سچ کہا۔ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے
لبید نے دوسرا مصرعہ پڑھا:۔

وکلّ نعیمٍ لامحالة زائل ہر نعمت بہرحال ختم ہونے والی ہے

حضرت عثمانؓ نے کہا کہ یہ تم نے غلط کہا ہے، جنت کی نعمتیں لازوال ہیں۔ لبید بن ربیعہ نے کہا اے قریش کے لوگو! قسم خدا کی تمہاری مجلس میں جو بیٹھتا اسے کوئی اذیت نہیں پہنچتی تھی۔ اب یہ کب سے ہونے لگا ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا ہمارے ہاں کچھ بیوقوف ہیں جنھوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے۔ یہ بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔ تم اس کی بات کا برا نہ مانو۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کچھ جواب دیا تو بات بڑھ گئی۔ اس شخص نے اٹھ کر اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ ان کی ایک آنکھ بیکار ہوگئی۔ مجلس میں ولید بن مغیرہ بھی تھا۔ اس نے کہا بھتیجے اگر تم میری مضبوط پناہ میں ہوتے تو آج یہ آنکھ ضائع نہ ہوتی۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کہا قسم خدا کی، میں چاہتا ہوں کہ میری دوسری آنکھ جو صحیح ہے وہ بھی اللہ کے راستے میں ختم ہو جائے۔ اے عبد شمس! میں اس ہستی کی پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے۔ ولید نے کہا کہ اب بھی موقع ہے تم دوبارہ میری پناہ میں آجاؤ۔ انھوں نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود مکہ کے ابتدائی دور کا حال بیان کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کے درمیان بات ہونے لگی کہ قریش کے لوگوں نے ابھی تک قرآن مجید کو زور سے تلاوت کرتے نہیں سنا ہے۔ کون ہے جو انھیں جہر کے ساتھ قرآن سنائے؟ میں نے کہا میں اس کام کے لیے تیار ہوں۔ صحابہ نے کہا تمہارے لیے یہ مناسب نہ ہوگا، وہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کر سکتے ہیں۔ ہم تو کوئی ایسا آدمی چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی کرنا چاہے تو اس کا قبیلہ اسے روک دے۔ میں نے کہا کہ مجھے یہ کام کرنے دو۔ اللہ میری حفاظت کرے گا۔ چنانچہ صبح جب دھوپ ذرا تیز ہوئی اور قریش کے لوگ اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے تو عبداللہ بن مسعودؓ مقام ابراہیم کے پاس پہنچے اور پورے زور سے سورۂ رحمٰن کی تلاوت شروع

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/ ۴۰۸۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۳/ ۵۹۰

کردی۔ مشرکین نے جب آواز سنی تو کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گئے کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) یہ کیا کہہ رہا ہے؟۔ پھر کہا اچھا یہ وہی کلام ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کر رہے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے منھ پر طمانچے مارنے لگے لیکن عبداللہ بن مسعود نے اس کے باوجود قرآن جتنا سنا سکتے تھے سنایا۔ جب صحابہ کرام کے پاس پہنچے تو چہرہ پر چوٹ کے نشانات تھے۔ صحابہ نے کہا اسی اندیشہ کی وجہ سے ہم تمہیں منع کر رہے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ یہ دشمنانِ خدا پہلے سے زیادہ مجھے بے وزن محسوس ہو رہے ہیں۔ اگر تم پسند کرو تو کل پھر میں انھیں قرآن مجید سناؤں۔ لوگوں نے کہا اب اس کی ضرورت نہیں ہے جس کلام کو وہ ناپسند کرتے ہیں اسے تم نے بہرحال سنا دیا یہ کافی ہے[1]

حضرت عمرؓ ہجرتِ مدینہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اور عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن العاص نے طے کیا کہ سویرے ایک متعین جگہ (قبیلۂ بنی غفار کے چشمہ کے پاس) ہم جمع ہوں گے اور اگر کوئی نہ پہنچے تو یہ سمجھا جائے گا کہ مشرکین نے اسے قید کر لیا ہے۔ باقی دو اصحاب سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔ میں اور عیاش بن ابی ربیعہؓ تو متعین جگہ پر پہنچ گئے اور مدینہ ہجرت کی لیکن ہشام بن العاص کو کفار نے گرفتار کر لیا اور وہ سخت آزمائش سے گزرے[2]

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہشام بن العاص کو تو کفار نے ہجرت کرنے نہیں دیا لیکن میں اور عیاش بن ربیعہ جب مدینہ پہنچ گئے تو ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام (یہ دونوں عیاش بن ربیعہ کے اخیافی بھائی تھے) مدینہ ان کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ ماں نے نذر مان رکھی ہے کہ جب تک تمہیں نہ دیکھ لے سر میں کنگھی نہیں کرے گی اور دھوپ سے سائے میں نہیں جائے گی۔ یہ سن کر ان کے جذبات ابھر آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ عیاش! قسم خدا کی یہ دونوں تمہیں اپنے دین

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۳۵۱-۳۵۲۔ اسد الغابہ: ۳/۳۸۳

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۲/۲۸۔ ابن سعد الطبقات الکبریٰ: ۴/۱۹۱۔ ابن اثیر اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان: ۵/۳۷۶۔ ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ۶/۴۲۳۔ دار الکتب العلمیہ، لبنان ۱۹۹۵ء

سے پھیرنے کی تدبیر کر رہے ہیں ان سے ہوشیار رہو۔ اگر تمہاری ماں کو جوئیں پریشان کریں گی تو کنگھی کرے گی اور مکہ کی گرمی سخت ہوگی تو سائے میں بھی جائے گی۔ عیاشؓ نے کہا، میں اپنی ماں کی قسم پوری کرکے واپس لوٹ آؤں گا۔ میرا مال بھی وہاں رہ گیا ہے وہ بھی لے لوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ میں (اس وقت) قریش کا سب سے زیادہ مالدار آدمی ہوں۔ میرا آدھا مال لے لو لیکن ان کے ساتھ مت جاؤ۔ انھوں نے میری بات نہیں مانی اور سفر کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے کہا جب تم نے یہ فیصلہ کرہی لیا ہے تو میری یہ اونٹنی لے جاؤ۔ یہ بہت عمدہ اونٹنی ہے۔ اس سے نیچے مت اترو۔ اگر تمہیں ان سے کچھ کھٹک محسوس ہو تو اسی اونٹنی پر تیزی سے نکل آؤ اور ان لوگوں سے نجات حاصل کرلو۔ چنانچہ وہ اسی اونٹنی سے سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں ابوجہل نے کہا کہ یہ میرا اونٹ ٹھیک سے چل نہیں رہا ہے کیا تم اپنی اونٹنی پر مجھے بٹھا سکتے ہو۔ وہ اس کے لیے تیار ہوگئے۔ جب وہ اونٹنی کو بٹھا کر نیچے اترے تو یہ دونوں بھی اپنی سواریوں سے اترے اور فوراً ان کو پکڑ کر رسی سے باندھ لیا اور مکہ لے گئے۔ مکہ پہنچ کر اعلان کیا۔ اے اہل مکہ دیکھو اپنے بے وقوفوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کرو جیسا ہم نے اپنے اس بے وقوف کے ساتھ کیا ہے۔[1]

جو صحابۂ کرام سن رسیدہ اور با اثر تھے اور جن کے پیچھے ان کے قبائل کی طاقت تھی، ان کے ساتھ بھی موقع ملنے پر دوسرے قبائل ظلم و زیادتی کر گزرتے تھے، لیکن جو صحابہ کم سن تھے ان پر خود ان کے قبیلے جور و ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کا شمار 'السابقون الاولون' میں ہوتا ہے۔ یہ مکہ کے بہت ہی خوبصورت اور دل موہ لینے والے نوجوان تھے۔ ان کے ماں باپ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی ماں دولت مند تھی، انھیں بہترین لباس پہناتی تھی۔ وہ مکہ میں سب سے زیادہ عطر اور خوشبو استعمال کرنے والے فرد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مکہ میں ان سے زیادہ خوبصورت بالوں والا اور ناز و نعمت میں پلا ہوا کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ اس وقت اسلام لائے جب

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۸۸-۸۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲/۲۷۱-۲۷۲

کہ دارارقم مرکزِ تبلیغ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھل کر تبلیغ نہیں شروع کی تھی۔ یہ اپنی ماں اور اپنی قوم کے خوف سے اسلام کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ دوسروں کی نگاہوں سے بچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور دین سیکھتے۔ ایک دن ایک شخص نے انھیں نماز پڑھتے دیکھ لیا تو ان کی ماں اور گھر کے دوسرے لوگوں کو اس کی اطلاع دی۔ اس پر انھیں پکڑ کر قید کر دیا گیا۔ بہت دنوں کے بعد وہ حبشہ ہجرت کرنے میں کامیاب ہوئے تو ہیئت بالکل بدل چکی تھی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ ہمیں تنگدستی اور معاشی تکلیف پہنچتی ہی تھی جب اسلام کی راہ میں تکلیف پہنچی تو یہ ہمارے لیے کوئی نئی چیز نہ تھی۔ ہم نے اس پر صبر کیا لیکن مصعب بن عمیرؓ مکہ کے بہت ہی ناز و نعمت میں پلے ہوئے جوان تھے ان کا لباس بہت ہی عمدہ اور نفیس ہوتا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اسلام لانے کے بعد انھیں سخت تکلیف پہنچی۔ ان کی کھال پر سانپ کی کھال کی طرح جھریاں پڑ گئی تھیں[۱]۔

سلمہ بن ہشامؓ ابو جہل کے بھائی تھے۔ قدیم الاسلام تھے۔ مشرکین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کی۔ حبشہ سے واپس ہو کر مدینہ ہجرت کرنی چاہی تو انھیں روک دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور دوسرے مستضعفین کے لیے جو مشرکین کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے، دعا قنوت پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ آپ کی دعا کے یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

اللھم انج عیاش بن ربیعۃ، اللھم انج سلمۃ بن ھشام اللھم انج الولید بن الولید، اللھم انج المستضعفین من المومنین[۲]	اے اللہ (مشرکین سے) نجات دے عیاش بن ربیعہ کو، اے اللہ! نجات دے سلمہ بن ہشام کو، اے اللہ نجات دے ولید بن ولید کو، اے اللہ نجات دے ان اہل ایمان کو جو مستضعفین ہیں (اور مکہ سے نکل نہیں پا رہے ہیں)

---

۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱۱۶/۳-۱۱۷۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۱۷۶/۵

۲ بخاری، کتاب الاستسقاء، باب دعاء النبی اجعلھا سنین کسنی یوسف۔ مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ۔

ان تینوں کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ بعد میں یہ حضرات کسی طرح مکہ سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔[1]

حضرت زبیر بن عوامؓ نے بارہ اور ایک روایت کے مطابق سولہ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔[2] ان کا چچا انھیں ایک چٹائی میں باندھ کر دھواں دیتا تاکہ وہ کفر کی طرف پلٹ جائیں لیکن وہ یہی کہتے کہ میں کبھی کفر کی طرف واپس نہیں جا سکتا۔[3]

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو نوفل بن خویلد نے ایک رسی میں باندھ دیا تھا۔ وہ قریش کا شیر خیال کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے قبیلہ (بنو تیم) کے لوگ کچھ نہ کر سکے۔[4]

یہ ان لوگوں کا حال تھا جن کے خاندان اور قبیلے مکہ میں موجود تھے اور جو ان پر اس جور ناروا کو روک سکتے تھے۔ اس کے باوجود بعض اوقات وہ اسے روک نہیں پاتے یا اس میں ناکام رہتے۔

مکہ کے جو کمزور افراد اللہ کے دین کو قبول کرتے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتے ان کی حالت اور ابتر تھی۔ ان کے ساتھ بڑا وحشیانہ اور غیر مہذب سلوک روا رکھا جاتا۔ یہ مستضعفین اور کمزور انسان کون تھے؟ ان کے بارے میں ابن سعد میں ہے۔

والمستضعفین قوم لا عشائر لھم بمکۃ ولیست لھم منعۃ۔[5]	مستضعفین وہ لوگ تھے، مکہ میں جن کے قبائل نہ تھے اور جن کو تحفظ اور قوت حاصل نہ تھی۔

ان میں زیادہ تر غلاموں کا طبقہ تھا۔ انھوں نے جب اسلام کا اعلان و اظہار کیا

---

[1] ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۲/۱۳۰-۱۳۱۔ ابن اثیر اسد الغابہ: ۲/۵۲۱-۵۲۲۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب ۲/۲۰۳

[2] ابن عبدالبر نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اور اقوال بھی ہیں۔ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۱۹۹۵ء: ۲/۹۰

[3] ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۲/۴۵۷۔ زرقانی علی المواہب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۱۹۹۶ء: ۱/۴۵۷

[4] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۱۵ [5] ایضاً ۳/۲۴۸

تو ان کے ساتھ جس بہیمیت اور درندگی کا مظاہرہ کیا گیا اس کا حال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

أوّل من أظهر الإسلام سبعة رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر وعمّار وأمّه سميّة وصهيب وبلال والمقداد، فأمّا رسول الله صلى الله عليه وسلم فمنعه الله بعمّه أبي طالب وأمّا أبوبكر فمنعه الله بقومه وأمّا سائرهم فأخذهم المشركون فألبسوهم أدراع الحديد وصهروهم في الشمس[1]

سب سے پہلے سات افراد نے اسلام کا اظہار و اعلان کیا وہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمارؓ، ان کی ماں سمیہؓ، صہیبؓ، بلال اور مقداد (رضی اللہ عنہم) جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی۔ ابوبکرؓ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کے ذریعہ لوگوں کی چیرہ دستی سے بچایا۔ باقی اور پانچ کو مشرکین نے پکڑا، انھیں لوہے کی زرہیں پہنائیں اور دھوپ میں پگھلنے کے لیے ڈال دیا۔

حالات اتنے شدید اور ناقابلِ برداشت ہوتے چلے گئے کہ ان سے بچنے کے لیے زبان سے کلمۂ کفر نکالنے اور شرک کی بظاہر تائید کرنے کی بھی اجازت دی گئی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ قلب ایمان پر مطمئن رہے اور کفر کو قبول کرنے کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہو۔ اس لیے کہ راہِ حق میں پیش آنے والی تکلیفوں اور آزمائشوں سے ہراساں ہو کر کفر کو اختیار کر لینا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ

جو اللہ کا انکار کرے اس پر ایمان لانے کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان

---

[1] مسند احمد: ١/٤٦٦۔ ابن ماجۃ، مقدمہ، باب فضل سلمان وابی ذر والمقداد۔ طبقات ابن سعد: ٣/٢٣٣ میں حضرت مقداد کی جگہ حضرت خبیب کا ذکر ہے۔
١٣٦

مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (النحل: ۱۰۶-۱۰۹)

سے مطمئن ہو (وہ معذور ہے) لیکن جو کوئی شرحِ صدر کے ساتھ کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ بے شک اللہ کافروں کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ بے شک یہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہیں۔

یہ اس بات کی ہدایت تھی کہ حالات کی سختی کی وجہ سے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے قدم جانبِ کفر نہ اٹھنے لگیں۔ ورنہ اس سے دنیا کی آزمائش سے آدمی محفوظ ہو بھی جائے تو آخرت کے عذاب سے بچ نہ سکے گا۔ لیکن اگر راہِ حق کے شدائد ناقابلِ برداشت ہو جائیں اور کفر کے حق میں جنبشِ زبان سے ان سے نجات کی توقع ہو تو اس کے لیے زبان کھولی جا سکتی ہے۔ یہ ایک اجازت ہے۔ عزیمت کی راہ پھر بھی یہی ہوگی کہ آدمی آزمائشوں کے طوفان میں بھی حق کو حق اور باطل کو باطل کہے اور استقامت کا ثبوت دے۔[1]

حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو مشرکین اتنی سخت سزائیں دیتے تھے کہ وہ اپنے دین کو بظاہر چھوڑنے میں معذور سمجھے جائیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ قسم

---

[1] قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: وھو دلیل علی جواز التکلم بالکفر عند الاکراہ وإن کان الافضل ان یتجنب عنه اعزازاً للدین۔ ۱/۵۵۷ (یہ دلیل ہے اس بات کی کہ جبر و اکراہ کی صورت میں کلماتِ کفر کا ادا کرنا جائز ہے گو کہ افضل یہی ہے کہ دین کی عزت و سربلندی کی خاطر اس سے اجتناب کیا جائے۔)

بخدا! ہاں یہی صورت تھی۔ وہ ان میں سے کسی کو مارتے، بھوکا پیاسا رکھتے۔ نوبت یہاں تک پہونچ جاتی کہ تکلیف کی شدت سے وہ بیٹھ نہیں پاتا تھا۔ اس حال میں وہ اس سے جو چاہتے کہلواتے۔ وہ سوال کرتے کہ اللہ کے بجائے لات اور عزیٰ تمہارے خدا ہیں یا نہیں؟ وہ جواب دیتا ہاں! یہاں تک کہ گبریلا کیڑا ان کے پاس سے گزرتا اور وہ اس سے پوچھتے کہ بجائے اللہ کے کیا یہ تمہارا خدا نہیں ہے؟ وہ اثبات میں کہتا ہاں یہ ہمارا خدا ہے۔ یہ سب کچھ وہ اس اذیت سے نجات پانے کے لیے کہتا جس میں وہ مبتلا ہوتا[1]

ابن اسحق کہتے ہیں کہ جو لوگ اسلام لاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کرتے ان پر مشرکین نے ظلم و زیادتی شروع کردی، ہر قبیلہ اپنے اندر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ ان میں سے جو کم زور تھے وہ ان کو قید کرتے، مارپیٹ اور بھوک پیاس کے عذاب میں ڈالے رکھتے، مکہ کی ریت جب گرم ہو جاتی تو اس پر لٹا دیتے۔ تاکہ انھیں ان کے دین سے پھیر دیں۔ بعض لوگ شدتِ تکلیف سے ان کی بات مان لیتے تھے۔ بعض لوگ سختی سے اپنے دین پر جمے رہتے۔ اللہ تعالیٰ انھیں ان سے بچا لیتا[2]

اب ذرا ان بے یار و مددگار غلاموں کا حال سنیے جنھوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا۔ وہ جس تعذیب اور اذیت رسانی سے گزرے ان کے تصور ہی سے انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ ان کے ساتھ جس درندگی اور حیوانیت کا مظاہرہ کیا گیا اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

حضرت بلالؓ غلام تھے۔ وہ اسلام لائے تو ان کا مالک امیہ بن خلف ان پر غیر معمولی سختی کرنے لگا۔ سورج کی تمازت جب بڑھ جاتی وہ انھیں ریت اور کنکروں سے بھری ہوئی مکہ کی وادی میں لٹا دیتا اور سینہ پر بڑا سا پتھر رکھ دیتا۔ کہتا قسم خدا کی تم اسی حال میں پڑے پڑے مرجاؤ گے۔ اس سے نجات چاہتے ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۵۷۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۹۵۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ: ۴/۱۲۴

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۵۴۔ ابن اثیر الکامل فی التاریخ: ۱/۵۸۸ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان ۱۹۹۵ء

کا انکار کردو اور پھر سے لات و عزیٰ کی عبادت شروع کردو۔ لیکن اس کے باوجود وہ احد، احد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کی صدا بلند کرتے رہتے۔[۱]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے دین کے لیے حضرت بلالؓ نے اپنی جان کو حقیر سمجھا اور مشرکین نے بھی انھیں حقیر جانا۔ وہ ان کے گلے میں رسی باندھ کر بچوں کے ہاتھ میں دے دیتے کہ وہ ان کو مکہ کی وادیوں میں بطور تفریح لے کر گھومتے پھریں، وہ اس حال میں بھی احد احد کی صدا بلند کرتے رہتے۔ گردن میں اس کے نشان پڑ گئے تھے۔[۲]

حضرت بلالؓ کو جو اذیتیں دی جاتی تھیں انھیں دیکھ ایک روز حضرت ابوبکرؓ نے امیہ بن خلف سے کہا کہ کیا تم اس مسکین کے معاملہ میں خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ کب تک یہ ظلم جاری رہے گا؟ اس نے کہا تم ہی نے تو اسے بگاڑا ہے۔ اگر اس سے بچا سکتے ہو تو بچاؤ۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے جو اس سے زیادہ مضبوط اور تمہارے دین پر قائم ہے۔ اس کے بدلے تم وہ لے لو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ تمہارا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا غلام اسے دیا اور حضرت بلالؓ کو اس سے لے کر آزاد کر دیا۔[۳]

حضرت خباب بن الارتؓ 'السابقون الاولون' میں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں یہ چھٹے فرد تھے۔ انھیں برہنہ کر کے گرم ریت پر چت لٹا دیا جاتا، پتھر کو آگ میں تپا کر پشت کو داغا جاتا، سر کو ایک طرف موڑ دیا جاتا لیکن اس کے باوجود وہ دین پر ثابت قدم رہے۔ انھوں نے مشرکین کا یہ مطالبہ پورا نہیں

---

[۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۵۴

[۲] مسند احمد: ۱/۶۶۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۳۳۔ برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۱/۴۸۷-۴۷۹

[۳] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۵۵۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو قیمتاً خرید کر آزاد کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں خریدنے کی بات آئی تو فرمایا کہ ابوبکرؓ ہمیں بھی اس میں شریک کرلو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میں نے انھیں آزاد کر دیا ہے۔ الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۳۲۔ امیہ بن خلف نے جس طرح سودے بازی کی اور غلام کے ساتھ جو قیمت ادا کی گئی اس سلسلہ کی روایات کے لیے ملاحظہ ہو =

کیا کہ وہ اسے ترک کردیں اور شرک کا عقیدہ اپنا لیں[۱]۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کا حال دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ آپ میری پیٹھ دیکھئے۔ دیکھا تو کہا کہ میں نے ایسی پیٹھ کبھی نہیں دیکھی۔ وہ برص کی طرح بالکل سفید تھی۔ حضرت خبابؓ نے بتایا کہ آگ دہکائی گئی اور مجھے اس پر گھسیٹا گیا۔ میرے بدن کی چربی سے آگ بجھی تھی[۲]۔

حضرت صہیب بن سنان رومیؓ، عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ شروع ہی میں اسلام لے آئے۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں۔

کان صھیب بن سنان من	صہیب بن سنان اہل ایمان کے
المستضعفین من المومنین	ان مستضعفین میں تھے جنھیں مکہ میں اللہ
الذین کانوا یعذبون فی اللہ بمکۃ[۳]	کی راہ میں عذاب دیا جاتا تھا۔

حضرت صہیبؓ نے جب ہجرت کی تو قریش کے کچھ لوگ پیچھے لگ گئے۔ صہیبؓ اپنی سواری سے اتر گئے اور کہا کہ قریش کے لوگو! تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے بڑا تیر انداز ہوں۔ میرے قریب اسی وقت آسکو گے جب کہ میرے ترکش کے تیر خالی ہو جائیں گے۔ پھر اس کے بعد، جب تک ہاتھ میں طاقت ہے تلوار چلاؤں گا۔ اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں وہ بتائے دیتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ حضرت صہیب نے جو مال ان کے پاس تھا وہ ان کے حوالہ کردیا (جو مکہ میں رہ گیا ہو ممکن ہے اس کی بھی نشاندہی کردی ہو) خالی ہاتھ مدینہ پہونچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تفصیل بتائی تو ارشاد فرمایا تم نے بڑے نفع کا سودا کیا ہے[۴]۔

ابن ہشام کی روایت ہے کہ حضرت صہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ تم یہاں فقیر اور تنگ دست آئے تھے۔ ہمارے ہاں تم نے بہت سامان جمع

= السیرۃ الحلبیہ: ۱/۴۸۰

[۱] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ: ۱/۵۹۰

[۲] ابن سعد، الطبقات: ۳/۱۶۵۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب ۲/۴۲۔ ابن اثیر، اسدالغابہ ۲/۱۴۸

[۳] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۲۶۔ ابن اثیر، اسدالغابہ: ۳/۳۹۔ [۴] حوالہ سابق۔
۱۴۰

کیا۔اب خود بھی جانا چاہتے ہو اور اپنا مال بھی لے جانا چاہتے ہو۔قسم خدا کی دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں۔حضرت صہیبؓ نے کہا اگر میں اپنا مال تمہارے حوالہ کردوں توکیا تم مجھے جانے دوگے؟ انھوں نے کہا ہم اس کے لیے تیار ہیں۔انھوں نے اپنا سب کچھ ان کے حوالے کیا اور مدینہ روانہ ہو گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپؐ نے دوبار فرمایا صہیب نے اچھا سودا کیا صہیب نے اچھا سودا کیا[1]

یاسر بن عامرؓ۔ان کی بیوی سمیہؓ،ان کے بیٹے عمارؓ اور عبداللہؓ اسلام لے آئے اس پورے خاندان کو سخت تکلیفیں دی گئیں مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر انھیں لٹا دیا جاتا۔اسی تکلیف میں انھوں نے جان،جان آفریں کے حوالے کی[2]

یاسرؓ کے صاحب زادے عبداللہ کو تیر لگا اور وہ شہید ہوئے[3]

عمار بن یاسرؓ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صہیب بن سنان رومی کو دارارقم کے دروازے پر دیکھا۔اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر موجود تھے۔میں نے پوچھا کیا ارادہ ہے۔انھوں نے پلٹ کر میرا ارادہ معلوم کیا۔میں نے کہا کہ میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پہونچ کر ان کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔انھوں نے کہا کہ میں بھی اسی خیال سے آیا ہوں۔ہم دونوں آپ کی خدمت میں پہونچے آپ نے اسلام پیش فرمایا۔ہم نے قبول کرلیا۔ہم شام تک آپ ہی کے پاس رہے۔شام کو خاموشی سے باہر نکل آئے۔اس طرح حضرت عمار اور حضرت صہیب ایک ساتھ ایمان لائے۔ان دونوں سے پہلے تیس افراد اسلام لا چکے تھے[4]

راستے میں حضرت عمارؓ اپنے گھر پہونچے تو ان کے والدین نے دریافت کیا کہ وہ دن بھر کہاں رہے۔انھوں نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا اور قرآن مجید کا جو حصہ یاد کیا تھا وہ سنایا۔ان دونوں کو یہ بہت پسند آیا اور وہ ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئے[5]

---

[1] ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ: ۹۱/۲

[2] ابن اثیر،الکامل فی التاریخ: ۵۸۹/۱

[3] ابن حجر،الاصابہ فی تمیز الصحابۃ: ۵۰۰/۶۔زرقانی علی المواہب: ۴۹۶/۱

[4] ابن سعد:الطبقات الکبریٰ: ۲۴۷/۳-۲۴۸

[5] زرقانی علی المواہب: ۴۹۶/۱

حضرت عمارؓ ان کے والد یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ اور دوسرے مستضعفین کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا جاتا۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں وادیٔ بطحا سے گزرے، وہاں حضرت عمارؓ اور ان کے والدین کو سزا دی جا رہی تھی۔ آپ نے انھیں صبر کی تلقین کی اور دعا فرمائی۔[1]

حضرت عمارؓ کو کبھی آگ سے جلایا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو آپ نے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی اے آگ جس طرح تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہوگئی تھی اسی طرح عمار پر بھی ٹھنڈی ہوجا۔ کبھی پتھر گرم کرکے داغا جاتا، کبھی پانی میں غوطے دیے جاتے۔[2]

عرصہ کے بعد ایک صاحب نے ان کی پیٹھ پر بدھیاں دیکھیں۔ جب ان سے معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ مکہ کی دھوپ میں قریش جو سزا دیتے تھے یہ اس کے نشانات ہیں۔[3]

اس طرح کی ہولناک سزائیں دے کر ان سے مطالبہ کیا جاتا کہ وہ رسولِ خداؐ کی شان میں گستاخی اور مشرکین کے معبودوں کی تعریف و توصیف کریں۔ مجبوراً ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے جنھیں وہ دل سے ناپسند کرتے تھے۔ دل ایمان پر مطمئن ہوتا اور زبان پر کفر کے کلمات ہوتے۔

جو اصحاب اس طرح کے الفاظ زبان سے نکالتے وہ بسا اوقات ہوش میں نہیں ہوتے تھے۔ انھیں یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔[4]

حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو اسلام سے پھیرنے کے لیے بنو مغیرہ کے لوگ سخت ترین سزائیں دیتے تھے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ایک مرتبہ ابوجہل ان پر غصہ ہوا تو شرمگاہ میں نیزہ مارا یا ران میں نیزہ اتنے زور سے مارا کہ وہ شرمگاہ تک پہونچ گیا۔ اسی سے یہ بوڑھی اور ضعیف خاتون شہید ہوگئیں۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلی شہادت تھی جو ان کے حصہ میں آئی۔[5]

ابو فکیہہؓ قدیم الاسلام ہیں۔ حضرت بلالؓ اور ان کے اسلام لانے کا زمانہ ایک ہے۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ امیہ بن خلف نے ان کے پیر میں رسی باندھی اور کہا کہ اب انھیں گھسیٹ کر سخت دھوپ

۱؎ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۴۸-۲۴۹

۲؎ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۴۸-۲۴۹۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ: ۱/۵۸۹

۳؎ ابن سعد، الطبقات: ۳/۲۴۸ ۴؎ حوالہ سابق۔

۵؎ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/۴۲۰۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۸/۱۹۰

میں ڈال دو۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا قریب میں ایک گبریلا (کیڑا) رینگ رہا تھا اس نے پوچھا کیا یہ تمہارا رب نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا میرا، تمہارا اور اس کا رب اللہ ہے۔ اس نے اس بری طرح گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس کا بھائی اُبی بن خلف بھی موجود تھا۔ اس نے کہا اور زور سے گلا دباؤ۔ اسی حال میں وہ پڑے رہے۔ انھوں نے سمجھا کہ وہ ختم ہو گئے۔ بعد میں ہوش میں آئے۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ بنو عبدالدار کے غلام تھے۔ وہ انھیں برہنہ کر کے لوہے کی زنجیر میں باندھ کر چلچلاتی دھوپ میں ڈال دیتے اور ان کے (سینہ یا) پشت پر پتھر رکھ دیتے۔ ان کے ہوش باقی نہیں رہتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس سے ان کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ یہ سب انھیں دین سے پھیرنے کے لیے کر رہے تھے لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو انھیں خرید کر آزاد کیا۔[1]

بنو مؤمّل، (بنو عدی بن کعب کی ایک شاخ) کی ایک لونڈی تھی جس کا نام لُبَینہ یا لبیبہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ اسلام لے آئیں۔ حضرت عمرؓ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ وہ اسے سخت سزا دیتے تھے۔ تھک جاتے تو کہتے، مجھے تمہاری پٹائی پر افسوس نہیں ہے۔ تھک گیا ہوں اس لیے چھوڑ دیا ہے۔ وہ بیچاری کہتی اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے بھی خرید کر آزاد کیا۔[2]

ایک لونڈی زُنَیرہ تھی۔ اسے بھی حضرت عمرؓ اور ابوجہل سخت سزائیں دیتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اسلام پر جمی رہیں۔ اس کی بینائی ختم ہو گئی تو مشرکین نے کہا کہ لات و عزیٰ نے اس پر یہ مصیبت ڈھائی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ لات و عزیٰ کے ہاتھ میں نفع نقصان نہیں ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ وہ چاہے تو میری بینائی واپس آ سکتی ہے۔ دوسرے ہی دن بینائی لوٹ آئی۔ اس پر مشرکین کہنے لگے کہ یہ محمدؐ کا جادو ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے بھی خرید کر آزاد کیا۔[3]

اسی طرح نہدیہ اور ام عبیس نامی لونڈیاں تھیں جو مشرکین کی سختیوں کا شکار تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں آزاد کیا تو انھیں ان سختیوں سے نجات ملی۔

یہ تھے وہ حالات جن سے مکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام گزر رہے تھے اور جن میں اسلام کے فروغ اور سربلندی کی کوشش جاری تھی۔

---

[1] ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲۹۳/۴۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۲۲۱/۶ - ابن اثیر، الکامل فی التاریخ: ۵۹۱/۱

[2] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: ۳۵۶/۱ - ابن اثیر، الکامل فی التاریخ: ۵۹۱/۱

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۳۵۵/۱ - ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۵۹۱/۱ - شرح الزرقانی: ۵۰۲/۱ - ۵۰۳